

# تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب

جناب مولانا پروین سید محمد طاہر القادری صاحب

اسلام نے شرعی مسائل کی تحقیق کے لیے درج ذیل چار بنیادی دلائل تجویز کئے ہیں۔ جنہیں مصادیقِ شریعت اور ماخذِ قانون کہا جاتا ہے۔

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس

اثباتِ احکام، استنباطِ مسائل اور ماخذِ نتائج میں ان مصادیق کی شرعی حجیت مذکورہ بالا ترتیب سے تسلیم کی گئی ہے۔ تاکہ مسائل و احکام کے اثبات و استخراج میں ایک نظم اور ضابطہ قائم رہ سکے۔

تحقیق مسائل اور قرآنی تعلیم اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے قرآن مجید کا

بیان کردہ طریق عرض کرتے ہیں۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا
کرد اور رسول کی اطاعت کرو اور	اللَّهِ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں انکی	الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ
بھی (اطاعت کرو) پھر اگر تم میں کسی مسئلے	فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
پر نزاع پیدا ہو جائے تو اس کو اللہ اور	إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ
رسول کے فرمان کی طرف لوٹا دو اگر	بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے	ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ

تَاوِيلًا لَهُ

ہو۔ یہی بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے

آیت متذکرہ میں اللہ رسول اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی اس بات کی ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو حتمی فیصلہ کے لیے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ اختلاف دو ہی صورتوں میں واقع ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس معاملے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی واضح ہدایت میسر نہ آئے یا ہدایت تو موجود ہو لیکن اس میں تاویل کے مختلف پہلو ہو سکتے ہوں۔ ان دونوں صورتوں میں قرآنی حکم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے یعنی اگر اختلاف تاویل کی نوعیت کا ہے تو وہ تاویل اختیار کی جائے جس کی تائید کتاب و سنت کے دیگر نظائر سے ہو رہی ہو اور اگر معاملے کا تعلق اجتہاد سے ہو تو اجتہاد میں یہ بات دیکھی جائے گی کہ زیر بحث معاملے میں کتاب و سنت سے قریب تر بات کیا ہو سکتی ہے اور جو بات اس معیار پر پوری اترے وہ اختیار کر لی جائے۔

اس آیت میں دو مزید امور نہایت خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں اطاعت کا حکم تو تین کے لیے دیا گیا ہے، اللہ، رسول اور اولوالامر لیکن اختلاف واقع ہونے کی صورت میں رجوع کا حکم صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف ہے۔ اولوالامر کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون مصدر اصلاً صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اولوالامر نے قانون کا مصدر میں اور نشان کو چیق حاصل ہے کہ وہ کوئی قدم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر اٹھائیں۔ بلکہ اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے بھی دراصل اولوالامر ہی کو دیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ ”أَطِيعُوا“ کا لفظ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کیلئے الگ الگ آیا ہے لیکن اولوالامر کے لیے اس لفظ کو نہیں دھرا یا گیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ

ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو مستقل اور غیر مشروط ہے لیکن اولوالامر کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط نہیں۔ بلکہ وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کے احکام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تابع ہوں اور ان میں کوئی تضاد و تخالف نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ آیت متذکرہ کی رو سے اطاعت الہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اساسی، مستقل اور غیر مشروط حیثیت حاصل ہے جبکہ صاحبان امر کی اطاعت غیر مستقل، غیر مشروط اور پہلی دونوں اطاعتوں کے تابع قرار دی گئی ہے۔ امراء و حکام ائمہ مجتہدین اور علماء و فقہاء سب صاحبان امر کے زمرے میں شامل ہیں ان کی فقہی آراء علمی اقوال و فتاویٰ تحقیقات اور اجتہادات کی حجیت ہمیشہ کتاب کے تابع اور مشروط ہوتی ہے۔ اطاعت الہی کا حکم قرآن اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنت کی حجیت مطلقہ پر دلالت کرتا ہے جبکہ صاحبان امر یعنی ائمہ مجتہدین کی تحقیقات، فرمودات اور اجتہادات سے جو شرعی علم کا ذخیرہ تیار ہوتا ہے اس کی حیثیت تیسرے اور چوتھے ماخذ کی ہے۔ اگر کسی مسئلے پر ان چاروں دلائل شرعیہ میں سے کوئی دو یا ہم متخالف ہوں تو عدم تطبیق کی صورت میں ہمیشہ مقدم کو مؤخر پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور نسبتاً قوی دلیل دوسری کو منسوخ کر دیتی ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت سے اختلاف کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا  
مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَ  
رَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ  
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ  
وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ  
صَدَّقَ صَدَقَاتٍ كَذَاتِهَا

کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق نہیں  
پہنچتا کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ اللہ  
اور اس کا رسول کر دے تو پھر بھی انہیں  
اس معاملے میں اختیار حاصل ہو۔ اور  
جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی  
کرے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

شریعت نے بیشک فقہاء و مجتہدین کے اجتہادات سے استفادہ کرنے اور ان کی آراء و اقوال کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے مگر صرف اسی صورت میں جب کسی مسئلہ پر کتاب و سنت خاموش یا غیر واضح ہوں۔ مزید برآں ان کی حجیت چونکہ مشروط ہوتی ہے اس لیے دیگر اہل علم کا ان سے کسی مسئلے پر تحقیقاً اختلاف کرنا شرعاً ناجائز نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں قول فیصل کتاب و سنت کو تصور کیا جاتا ہے۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ كَمَا هِيَ مَنَاشِئَةٌ۔

تحقیق مسائل اور نبوی تعلیم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قرآن مجید کے بیان کردہ اسلوب کی تائید ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث مبارکہ اس امر پر شاہد ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا منصب قضا سپرد کرتے وقت تعلیم ارشاد فرمایا:

کیف تقضى اذا عرض لك قضاء۔	اگر تمہارے سامنے کوئی حل طلب مسئلہ پیش ہو تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟
قال اقضى بكتاب	حضرت معاذ بن جبل نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے
قال فان لم تجد في	کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں کتاب اللہ میں نہ ملے
كتاب الله قال فبسنة	رسول الله قال ان لم تجد في سنة
رسول الله قال اجتهد	اگر تمہیں سنت رسول میں بھی نہ ملے تو عرض کیا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو
راي ولا الولاى) لا	اگر وہ اس میں کوئی گسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر دست اقدس
اقض في اجتهادى۔	
قضرب رسول الله	
على صدره وقال	

الحمد لله الذي وفق  
رسول رسول الله لما  
يرضاه رسول الله -  
پھیرا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے  
اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق  
عطا فرمائی جس سے اس کا رسول خوش  
ہوتا ہے۔

اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل نتائج اخذ ہوئے۔  
(۱) ہر علمی اور دینی مسئلے کا حل سب سے پہلے قرآن مجید سے تلاش کیا جائے۔  
(۲) اگر پوری سعی واستعداد برائے کار لانے کے باوجود قرآن مجید سے کوئی حکم تیسرے نہ  
آسکے تو پھر اس کا فیصلہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاش کیا جائے۔  
(۳) اگر کسی مسئلے کا حل پوری تلاش و جستجو کے باوجود سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہیں  
آئے تو پھر (کتاب و سنت کی روشنی میں) اجتہاد کیا جائے۔  
(۴) اجتہاد کے لیے تمام دینی اور علمی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھرپور سعی کی جائے۔ تاکہ  
کوئی کمی نہ رہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر عبداللہ بن مسعود سے ارشاد فرمایا:  
اقض بالكتاب والسنة  
اذا وجدتهما فادم  
تجد الحكم فيهما اجتهد  
رأيك له  
جب تم قرآن و سنت میں کوئی حکم پاؤ  
تو اس کے مطابق فتویٰ دو اور  
جب کوئی حکم قرآن و سنت میں نہ پاؤ  
تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل ارشاد بھی مذکورہ اسلوب سے متشکل کی  
واضح تعلیم و تہذیب ہے۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی

انہ قال ترکت فیکم  
 امرین لن تصلوا  
 ماتمسکتہم بہما:  
 کتاب اللہ و سنتہ  
 رسولہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم لہ

ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے  
 تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی  
 ہیں۔ جب تک ان کو مضبوطی سے  
 تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے اور  
 وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 علیہ وسلم ہے۔

حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ حضور نبی اکرمؐ سے  
 دریافت کیا۔

الامرین نزل بنالہ  
 ینزل فیہ قرآن، ولہ  
 تمض فیہ منک سنتہ؟  
 قال: اجمعوا العالمین  
 من المؤمنین فاجعلوا  
 شوری بینکم ولا تقضوا  
 فیہ برائی واحد لہ

اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو۔  
 جس پر قرآن میں کوئی حکم موجود نہ ہو  
 اور نہ ہی اس سے متعلق آپ کی کوئی  
 سنت معلوم ہو تو ہم کیا کریں؟  
 حضور نے فرمایا ایسی صورت میں مؤمنوں  
 میں سے اہل علم کو جمع کرو اور ان کے  
 مابین مشاورت قائم کرو۔ اور کسی ایک  
 شخص کی ذاتی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

تحقیق مسائل میں خلفائے راشدین کا اسلوب  
 نے بھی تمام شرعی

مسائل کے حل کے لیے ہمیشہ اسی طریق کو معمول بنایا۔ کتب میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر  
 رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہؓ سے بصراحت اس شرعی اسلوب

کی تفصیلات منقول ہیں۔

عبدالوہاب بخلاف بیان کرتے ہیں۔

عن میمون بن مہرات  
قال: كان ابو بكر اذا  
وسد عليهما الخصوم نظر  
في كتاب الله فان وجد  
فيه ما يقضى بينهم  
قضى به وان لم يكن  
في الكتاب وعلم عن  
رسول الله صلى الله عليه  
وسلم ذلك الامر سنة قضى  
بها. فان اعياءه ان يجد  
في سنة رسول الله جمع  
رؤس الناس وخيارهم  
فاستشارهم فان اجمع  
رايهم على امر قضى  
به وكذا ذلك كان يفعل  
عمر بن الخطاب وعلي هذا  
كبار الصحابة ورؤس  
المسلمين ولو يعرف بينهم  
مخالف في هذا الترتيب له

میسون بن مہران نے روایت کیا  
ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس اگر کوئی  
جھگڑا پیش ہوتا تو کتاب اللہ میں اس  
کا حل تلاش کرتے اگر اس میں پالیتے  
تو اس کے مطابق فریقین کے درمیان  
فیصلہ فرماتے اور اگر کتاب اللہ میں  
نہ پاتے اور اس بارے حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کی سنت معلوم ہو جاتی تو سنت کے  
مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر سنت رسول  
میں اس کو پانے سے عاجز آجاتے تو  
لوگوں میں سے اکابر و افاضل افراد کو  
جمع کرتے اور ان سے مشورہ طلب  
کرتے۔ اگر ان کی رائے کسی معاملے  
میں متفق ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ  
کرتے۔ حضرت عمرؓ بھی اسی طرح کیا  
کرتے تھے، تمام صحابہ کبار اور اکابر  
مسلمین اسی طریق پر قائم رہے اور  
ان میں مذکورہ بالا ترتیب پر کوئی  
اختلاف نہیں پایا گیا۔

امام ابن حزم نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے قاضی شریح کی طرف تحریراً یہ ہدایات بھیجیں۔

عن الشحبی قال كتب عمر ا لى شرح :  
 اذا اتاك امر في كتاب  
 الله فاقض به ولا يلفتك  
 عنه الرجال فان لم يكن  
 في كتاب الله فيما في سنة  
 رسول الله فان لم يكن  
 في كتاب الله وسنة  
 رسول الله ولا فيما قضى  
 به ائمة الهدى فانت  
 بالخيار (وفي رواية) وما  
 لم يتبين لك في السنة  
 فاجتهد رأيك له

امام شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کی طرف ہدایات لکھیں کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ میں مل جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کریں اور لوگ آپ کو اس سے نہ ہٹانے پائیں اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کریں اگر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں نہ ملے اور نہ ہی ائمہ حق کے فیصلوں میں مل سکے تو پھر آپ کو اختیار ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر آپ پر سنت سے کوئی چیز واضح نہ ہو تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کریں۔

اسی قسم کے مضمون پر مشتمل کئی ارشادات حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہؓ و تابعین سے بھی منقول ہیں جن سے باسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام کا معمول فتاویٰ اور مسائل شرعیہ میں یہی تھا کہ وہ کتاب و سنت کو بالترتیب اجماع و اجتہاد سے ہمیشہ مقدم رکھتے تھے۔

تمام مذاہب فقہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ائمہ اربعہ کا اسلوب تحقیق و اجتہاد مسائل کو مذکورہ بالا دلائل شرعیہ سے اسی



ترتیب کے ساتھ حل کیا جانا چاہیے جو ترتیب مصادراصول فقہ میں قائم کی گئی ہے۔  
**مذہب امام اعظم** | امام اعظم کا درج ذیل ارشاد اس اصول کی جملہ تفصیلات کو نمایاں  
 کر دیتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ میرا طریق اجتہاد اور فقہی مذہب  
 یہ ہے کہ میں سب سے پہلے مسئلے کو کتاب اللہ پر پیش کرتا ہوں اگر اس میں حکم نہ پائی تو پھر  
 سنت رسول اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

اذا لم یکن فی  
 کتاب اللہ ولا فی  
 سنۃ رسول صلی اللہ  
 علیہ وسلم نظرت  
 فی اقوال اصحابہ  
 ولا اخرج عن قولہم  
 الی قول غیرہم  
 فاذا انتھی الامر  
 الی ابراہیم والشعبی  
 وابن سیرین والحسن وعطاء  
 وسعید بن جبیر فقوم اجتہاداً  
 فاجتہد کما اجتہدوا لہ

پھر اگر کوئی مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے  
 اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 میں تو میں اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں اور  
 صحابہ کے اقوال کے سامنے کسی کے قول  
 کو قابل اعتناء نہیں سمجھتا جب فیصلہ  
 ابراہیم، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء  
 اور سعید بن جبیر کا صادر کردہ ہو تو ان  
 حضرات نے اپنے زمانے میں اجتہاد  
 کیا۔ پس ان کی طرح میں بھی اجتہاد  
 کرتا ہوں۔

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات صحابہ و تابعین | امام اعظم نے  
 شرعی مسائل  
 میں مراتب حجیت کا فرق  
 کے استنباط و استخراج کے لیے سنت رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ و تابعین میں ترتیب

حجیت میں فرق قائم فرمایا ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں

ما جاء ناعن رسول الله  
صلى الله عليه وسلم قبلنا  
على الرأس والعينين وما جادنا  
عن اصحابه رحمهم الله  
اخترنا منه ولم نخرج  
عن اقوالهم وما جادنا  
عن التابعين فهم رجال  
ونحن رجال له

جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سے ہم تک پہنچے۔ ہم اس کو بلا کم  
وکاست بسر و چشم قبول کرتے ہیں  
اور جو کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم  
الجمعین کی طرف سے ہمارے پاس  
آئے۔ ہم ان میں سے کسی کو اختیار کر  
لیتے ہیں۔ اور ان کے اقوال میں سے  
باہر نہیں جاتے اور جو تابعین سے پہلے  
پاس آئے سو وہ بھی انسان تھے اور ہم  
بھی انسان ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے درج ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(۱) مذہب امام اعظم کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت شدہ حکم سے  
شریعت میں گریز کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی آپ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہوتا ہے  
اذا صح الحديث فهو من هجي۔

(جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے)

(۲) صحابہ کرام کے مختلف اقوال، فتاویٰ اور اجتہادات میں سے کسی موقف کو بھی بوجہ  
اپنا یا جاسکتا ہے۔ تمام صحابہ کے اقوال کو مجموعی طور پر ترک کر دینا درست نہیں۔

(۳) تابعین یا ان کے بعد کے اقوال اور اجتہادات سے اہل علم کسی دلیل شرعی کی بنیاد پر اختلاف  
کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت مطلقہ کا یہی تصور امام

مالک امام شافعی، امام احمد بن حنبل و دیگر ائمہ مجتہدین اور ان کے اصحاب کے ہاں بھی متفقہ طور پر پایا جاتا ہے۔

## مذہب امام مالک

امام مالک نے بھی اثبات احکام کے لیے دلائل شرعیہ کی اسی ترتیب سے تمسک کیا۔ آپ نے کتاب و سنت کو جملہ دلائل و مصادر پر ترجیح دی۔ صرف ان کی عدم موجودگی میں تعامل اہل مدینہ اور اس کے بعد قتاویٰ و اقوال صحابہ کی طرف التفات فرمایا اور اپنے قول کو کبھی ہی نص کے مقابلے میں اہمیت نہ دی۔

حضرت معن بن عسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

انما انا بشر اخطی و	میں ایک انسان ہوں۔ میری رائے
اصیب فانظر وافی قولی	درست بھی ہو سکتی ہے اور اس میں
فکل ما وافق الكتاب	خطا کا احتمال بھی موجود ہوتا ہے۔ لہذا
والسنة فخذوا به و ما لم	میرے قول پر غور کر لیا کرو اگر وہ کتاب
یوافق الكتاب و السنة	و سنت کے مطابق پاؤ تو اس پر عمل کرو
فاتركوا له	ورنہ اس کو ترک کر دو۔

امام مالک نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

ما من احد الا هو ما خوذ	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا
من كلامه و مردود علیہ	کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کلام میں
الارسل الله صلی الله علیہ	کچھ چیزیں قابل قبول اور کچھ قابل ترک
وسلم له	نہ ہوں۔

ابن حزم لکھتے ہیں کہ امام مالک نے ایک طلاق کے مسئلے میں تین طلاقیں واقع ہونے کا فتویٰ دیا۔

فَنظَرَ إِلَى أَشْهَبٍ وَقَدْ  
كَتَبَهَا فَقَالَ امْحِهَا أَنَا  
كَلِمًا قَلَّتْ قَوْلًا جَعَلْتُمُوهُ  
قِرَانًا إِمَامًا يَدْرُسُ بِكَ  
لَعَلِّي سَارَجٌ عِنْدَهَا عِنْدًا  
مَا قَوْلٌ هِيَ وَاحِدَةٌ لَهَا  
پھر آپ نے اشہب کی طرف دیکھا  
تو انہوں نے فتویٰ لکھ لیا تھا آپ نے  
فرمایا اسے مٹا دو۔ میں کئی بار ایک بات  
کہتا ہوں مگر تم لوگ اسے قرآن بنا لیتے  
ہو تمہیں کیا معلوم کہ میں کل اس  
فتویٰ سے رجوع کر لوں اور اسے ایک  
طلاق قرار دے دوں۔

اس واقعے سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اپنی تحقیق  
واجہتاد اور نصوص قرآنی کی حجیت و قطعیت میں کس قدر فرق تھا۔

## مذہب امام شافعیؒ

امام شافعیؒ نے بھی نہایت سختی سے ان ضوابط کی پابندی فرمائی۔  
ابن القیم لکھتے ہیں:-

(i) تَوَاتُرُ مَنْهٍ أَنَّهُ قَالَ :  
إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ  
فَأَصْدَرُوا بِقَوْلِي  
الْحَائِطُ -  
امام شافعیؒ سے تو اتر کے ساتھ ثابت  
ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ اگر صحیح حدیث  
مل جائے تو میرے قول کو دینا پڑے  
مارو

(ii) وَضِيحٌ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ :  
إِذَا رُوِيَ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ  
أَنَّ سَمْعَانَ بْنَ مَرْيَمَ  
كَرِهَ أَنْ يَكُونَ مَعَهُ إِذَا  
كُنَّ مَعَهُ نِسَاءٌ  
أَنَّ سَمْعَانَ بْنَ مَرْيَمَ  
كَرِهَ أَنْ يَكُونَ مَعَهُ إِذَا  
كُنَّ مَعَهُ نِسَاءٌ  
اُن سے صحت کے ساتھ ثابت ہے۔  
کہ انہوں نے فرمایا اگر میں رسول اللہ  
سے روایت کر لوں تو اسے اپنے ساتھ  
نہ لے جاؤں گا۔

صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً ولم اخذ بہ  
 فاعلموا ان عقلی قد ذهب۔  
 علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت  
 کروں اور اس پر اپنے قول کی بنیاد  
 نہ رکھوں تو جان لو کہ میری عقل سلامت  
 نہیں رہی۔

(iii) وصح عتہ انہ قال لا  
 قول لاحد مع سنۃ  
 رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم لہ  
 ان کا یہ قول بھی صحت کے ساتھ ثابت  
 ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی سنت کے ہونے ہوئے  
 کسی اور کا قول قابل اعتناء نہیں ہو  
 سکتا۔

الاصم اور شیخ ابو محمد الجارودی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ربیع کو کہتے ہوئے سنا کہ امام  
 شافعی نے فرمایا:

اذا وجدتم فی کتابی  
 خلاف سنۃ رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فقولوا بسنۃ رسول اللہ  
 ودعوا ما قلت لہ  
 اگر تمہیں میری کتاب میں سنت رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ ملے  
 تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے مطابق فتویٰ دو اور میرے قول کو  
 ترک کر دو۔

(۷) احمد بن علی بن عیسیٰ الرازی ربیع سے بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا:  
 کل مسألة تکلمت فیہا  
 صح الخبر فیہا عن النبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم عند  
 بہرہ مسئلہ جس میں میں نے کلام کیا  
 ہو۔ اور اس اہل نقل کے نزدیک نبی  
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث

صحیح کے ساتھ میرے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو میں اپنی زندگی میں بھی اپنے قول سے رجوع کرنے والا ہوں اور اپنی موت کے بعد بھی

اہل النقل بخلاف ما قلت فاناراجع عنہما فی حیاتی و بعد موتی لہ

(۷۱) امام شافعیؒ سے یہ بھی منقول ہے:

میں جو بات بھی کہوں اور اصول بھی وضع کروں جب اس کے خلاف کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائے تو پھر حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد پر ہے (میرے قول پر نہیں۔

مہما قلت من قول او اصلت من اعمل فیبلغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ما قلت فالقول ما قالہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ

(۷۲) امام شافعیؒ فقہی اصول و ضوابط کے بیان فرماتے ہیں۔

علم کے مختلف مدارج ہیں۔ سب سے پہلے کتاب اللہ اور سنت ثابتہ ہے پھر اس مسئلے میں اجماع، جس میں کتاب و سنت کی کوئی نص موجود نہ ہو تب میسر درجہ ایسے اقوال صحابہ کا ہے جس پر کوئی اختلاف نہ ہو۔ چوتھا درجہ اختلافات صحابہ کا ہے۔ اور پانچواں درجہ قیاس ہے۔

العلم طبقات: الاولى الكتاب والسنة الثابتة ثم الاجماع فيما ليس فيه كتاب ولا سنة والثالثة ان يقول الصحابي فلا يعلم لہ

بخلافه من الصحابة الرابعة اختلاف الصحابة والخامسة القياس

مذہب امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی کتاب و سنت کی حجیت مطلق ہے اور نص کے ہوتے ہوئے کسی کے قول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ليس لاحد مع الله ورسوله الله اور اس کے رسول کے حکم کی موجودگی میں کسی

کلام -

کی بات کی ضرورت نہیں ہے۔

ابو حاتم الرازیؒ مصادر شریعت اور ماخذ علم کی اسی ترتیب کو ان لفاظ میں فرماتے ہیں  
 العلم عندنا ما كان عن الله تعالى ہمارے نزدیک علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی غیر منسوخ  
 من کتاب ناطق ناسخ غیر منسوخ کتاب ناطق سے ثابت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ  
 وما صحت به الاخبار عن رسول علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت شدہ ایسی احادیث  
 الله صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو جن میں تعارض نہ ہو اور اس کے بعد  
 مما لا معارض له وما جاء جو اہل علم صحابہ سے متفقہ طور پر ثابت ہو اور  
 عن الالباء من الصحابة اگر ان کا اختلاف ہو تو ان کے مجموعی اختلافات  
 ما اتفقوا علیہ فاذا اختلفوا لم سے باہر نہ نکلا جائے اگر کوئی مسئلہ اس ذیل سے  
 يخرج من اختلافهم فاذا اختلفوا لم سے بھی واضح نہ ہو تو پھر تابعین کے ذیل سے جانا  
 يفهمون التابعین فاذا لم يوجد عن جائے اور اگر ان سے بھی ثابت نہ ہو تو ان کے  
 التابعین نعم ائمة الهدی من اتباعہم اتباع ائمہ کرام سے حاصل کیا جائے۔

اہل علم اور ائمہ کرام کا مذکورہ بالا طریق بیان کرنے کے بعد ابن القیم لکھتے ہیں۔  
 جعل اقوال الصحابة بمنزلة اقول صحابہ را اور دیگر ائمہ کے اقوال کو تیمم کے تمام  
 التيمم انما يصار اليه عند پر رکھا گیا ہے کیونکہ اس کی طرف بھی صرف اس  
 عدم الماء لہ وقت توجہ کی جاتی ہے جب پانی میسر نہ آئے۔

لہذا اقوال صحابہ و تابعین اور ائمہ کے اجماع و اجتہاد کی تمام صورتیں مصادر قانون  
 کے طور پر صرف اس وقت حجیت حاصل کرتی ہیں جب کسی مسئلہ پر کتاب و سنت کی کوئی نص  
 موجود نہ ہو۔ اگر مسئلہ کتاب اللہ سے ثابت ہو اور واضح ہو جائے تو اسے سنت پر ترجیح حاصل ہوگی۔  
 اور اگر سنت صحیحہ سے ثابت ہو تو آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ کی طرف التفات نہیں کیا  
 جائے گا۔

## وقت استدلال دلائل میں ترتیب ضروری ہے

دلائل شرعیہ سے استدلال میں یہ پہلو بھی اشد ضروری بلکہ ناگزیر ہے کہ ترتیب دلائل کا لحاظ بہ صورت قائم رہنا چاہیے جیسا کہ شیخ عبدالوہاب نے خلاف نے بیان کیا۔

یہ ادلہ اربعہ جن سے استدلال پر مجبور  
مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ وہ اسی طرح  
اس بات پر بھی متفق ہیں یہ ادلہ اربعہ سے  
استدلال کیلئے یہ ترتیب ملحوظ رکھی جائے  
گی۔ پہلے قرآن پھر قیاس۔ اس طرح  
کہ اگر کوئی واقعہ پیش ہو تو پہلے قرآن میں  
دیکھے اگر قرآن میں اس کا حکم مل جائے  
تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے اور اگر  
قرآن میں اس کا حکم نہ ملے تو سنت  
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تلاش  
کرے اگر سنت میں اس کا حکم موجود  
ہو تو اس کے مطابق کہہ کرے اور اگر  
سنت میں اس کا حکم نہ ملے تو دیکھے کہ  
آیا کسی زمانے کے مجتہدین کا اس بارے  
میں کوئی فیصلہ ہے؟ اگر موجود ہو تو اس  
کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر اجماع  
میں بھی نہ ملے، تو اس کے حکم کو معلوم کرنے  
کے لیے کسی وارد شدہ نص کے حکم پر  
قیاس کرتے ہوئے اجتہاد کرے

وهذه الأدلة الأربعة  
اتفق جمهور المسلمين  
على الاستدلال بها  
أيضاً على أنها  
مرتبة في الاستدلال بها  
هذا الترتيب القرآن  
فالسنة فالاجماع  
فالقياس بمعنى أنه إذا  
عرضت واقعة نظراً ولا  
في القرآن فان وجد فيها  
حكمها امضى وان لم  
يوجد فيها حكمها نظرقى  
السنة فان وجد فيها حكمها  
امضى وان لم يوجد  
فيه حكمها نظر

في عصر من العصور

على حكمها فان وجد امضى  
وان لم يوجد اجتهد في  
الوصول الى حكمها بقيا سها



ما ورسد النص بحکمہ امانا البرہان  
 علی الاستدلال بہا فهو قولہ تعالیٰ  
 فی سورۃ النساء: یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ  
 آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ  
 وَأُولِ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ  
 فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ  
 اس استدلال پر دلیل سورۃ نسا میں  
 اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔  
 اسے ایمان واو اللہ تعالیٰ کی اطاعت  
 کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور انکی جو تم میں سے  
 اعلیٰ الامر میں پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا اختلاف  
 ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو۔

اس وجوب ترتیب کا مفاد یہ ہے کہ کتاب، سنت کے مقابلے میں سنت، اجماع  
 کے مقابلے میں اور اجماع، قیاس کے مقابلے میں قوی تر ہوگا۔ بالفاظ دیگر عدم تطبیق کی صورت  
 میں قرآن، سنت کا نسخ ہو سکتا ہے۔ سنت قرآن کی نہیں البتہ احناف کے مطابق سنت  
 متواترہ اور مشورہ سے قرآن کی تخصیص و تقیید ہو سکتی ہے۔ اسی طرح چونکہ سنت کا حکم اجماع  
 سے خالق اور قوی تر ہوتا ہے لہذا کوئی بھی اجماع، سنت یا قرآن نہیں ہو سکتا کیونکہ اجماع کا  
 جواز بھی محض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کتاب و سنت دونوں کی کوئی نص موجود نہ ہو۔  
 اگر کتاب و سنت کی نص کسی مسئلے پر مل جائے تو اس کے ہوتے ہوئے فی نفسہ اجماع کا جواز  
 ہی باقی نہیں رہتا چاہے جابیکہ اس کے ذریعے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر دیا جائے  
 یا اس کی تخصیص و تقیید کی جائے اور یہی حال اجماع کا قیاس کے مقابلے میں ہے۔ تمام  
 صحابہ کے اجماع قطعی کے سوا امت کے ہر طبقے کے اجماع کی تنسخ کسی دوسرے طبقے کے  
 اجماع سے ہو سکتی ہے مگر محض قیاس یا متفرد اجتہاد سے اجماع کی تنسخ ممکن نہیں۔

کیا صحابی اور تابعی کی تقلید واجب ہے

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ کتاب و سنت

کی حجیت مطلقہ پر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اگر کسی مسئلے پر تمام صحابہ کہہ ام کا اجماع قطعی صراحت کے ساتھ اس طور پر ثابت ہو جائے کہ اس پر کسی بھی صحابی کا اختلاف موجود نہ ہو تو پھر اس کی حجیت بھی قطعیت کے درجے کو پہنچ جاتی ہے کیونکہ اس سے منشاء کتاب و سنت یقینی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ لیکن اس اجماع قطعی کے لیے اس امر کا ثبوت کہاں سے ملے گا کہ متعلقہ قول دور و نزدیک ہر صحابی کو واقعہ پہنچ گیا تھا۔ اور ہر ایک نے اس کی تصدیق کی یا اس سے اختلاف نہ کیا۔ صحابہ کے ایسے قطعی اجماع کے بعد ان کے فتاویٰ، اقوال آراء اور اجتادات کا معاملہ آتا ہے۔ ان کے وجوب اور عدم وجوب پر ائمہ مجتہدین کا اختلاف رہا ہے بعض ائمہ مثلاً امام ابو الحسن کمرہ جعفری وغیرہ نے ان کے فتاویٰ کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں جب نہ مگر قیاسی مسائل میں ضروری قرار نہیں دی۔ امام کمرہ فرماتے ہیں۔

لا يجوز تقليد الصحابي  
الا فيما لا يبدرك بالقياس له  
صحابی کی تقلید غیر قیاسی مسائل میں ضروری  
نہیں ہے۔

جب کہ امام شافعیؒ نے کسی طور پر بھی ان کی تقلید کو واجب قرار نہیں دیا مسائل غولہ قیاسی ہوں یا سماعی اور اکثر اشاعرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ کیونکہ فتاویٰ صحابہ میں بہر صورت رائے اور اجتہاد کا دخل ہوتا ہے اور یہ چیز ان کے عدم محضت کی وجہ سے احتمالِ خطا سے پاک نہیں ہوتی اس لیے کسی طور پر بھی ان کے فتاویٰ اور اقوال و آراء کی تقلید واجب نہیں ہے اجتہادات اور فتاویٰ کی حیثیت شرعی اعتبار سے ظنی دلیل ہی ہوتی ہے لہذا ان کی طرف رجوع اور ان سے استفادہ شرعاً جائز ہے لیکن بدین طور واجب نہیں کہ ان کی رائے سے اختلاف کو ناجائز قرار دیا جاسکے اس کی تائید فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے درج ذیل قول سے ہوتی ہے۔

وكان عمر بن الخطاب يقول لا  
يقولن احد قضيت  
بما ارا في الله تعالى  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے  
کہ ہمارے فیصلے پر کوئی آدمی یہ نہ کہے کہ  
عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے فیصلہ

فان الله تعالى لم يجعل ذلك الا لنبيه واما الواحد منا فرائيه يكون ظناً ولا يكون علماً

کیا ہے کیونکہ یہ بات فقط نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے ہم میں سے کسی ایک کی رائے اور فیصلہ ظنی ہوتی ہے نہ کہ قطعی اور یقینی۔

اصول فقہ کی نہایت معتبر کتاب نامی شرح حسامی ص ۱۹ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وقال الشافعي في قوله الجديد واليه ذهب كثير من المعتزلة والاشاعرة لا يقله احد منهم وسواء كان مدركاً بالقياس (مقادير) او لا لانه ظهر فيهم الفتوى بالرأى حيث لا يمكن انكاره واحتمال الخطاء في اجتهادهم

اور امام شافعی نے اپنے قول جدید میں فرمایا ہے اور اسی رائے کو اکثر معتزلہ اور اشاعرہ نے اپنا پایا ہے کہ صحابہ میں سے کسی کی تقلید کو ضروری نہ سمجھا جائے خواہ مسائل قیاسی ہوں یا (مقادیر سے متعلق غیر قیاسی کیونکہ ان میں بھی رائے سے فتویٰ صادر ہو سکتا ہے اور اس کا انکار ممکن نہیں ان کے اجتہاد میں خطا کا امکان انکی عدم عصمت کیونکہ ہے جیسا کہ مجتہدین کے اجتہاد میں ثابت اور احتمال

ثابت لعدم العصمة كما هو ثابت في اجتهاد المجتهدين ولا فرق بين ما لا يدرك بالرأى من المقادير فنحوها وبين غيرها لانه محتمل انه افق فيما لا يدرك بالقياس بخير ظنه دليلاً ولم يكن هو دليلاً في الواقع فلا يكون اجتهاد حجة على غيره من المجتهدين

خطا کے معاملے میں بھی اس امر کا احتمال موجود ہے کہ کسی صحابی نے ایسی کسی حد کو دلیل تصور کرتے ہوئے فتویٰ دے دیا ہو جو فی الواقع اس مسئلے پر دلیل نہ ہو پس اس کا اجتہاد مجتہدین میں سے کسی دوسرے کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔

دليلاً في الواقع فلا يكون اجتهاد حجة على غيره من المجتهدين

یہی حیثیت اقوال تابعین کی ہے جیسا کہ امام اعظم کے ظاہر مذہب سے ثابت ہے۔  
 اند قال لا اقلدھم رجال اجتهدوا وعین رجال  
 آپ نے فرمایا! میں ان کی تقلید نہیں کرتا۔  
 وہ بھی انسان تھے جنہوں نے اجتہاد کیا اور ہم  
 بھی انسان ہیں ہم اجتہاد کرتے ہیں اور یہی  
 من مذہبہ لہ  
 آپ کا مذہب مختار ہے۔

امام اعظم کا دوسرا قول جو کتاب السنن میں ہے، 'مذہب حنفی کی بنیاد نہیں (الناہی) ۱۹۲  
 اس لیے ائمہ اصول نے کہا ہے۔

کما جاز للمصحابی ان یخالف  
 جس طرح صحابی کے لیے صحابی سے  
 الصحابی یجوز لمن بعدها  
 اختلاف جائز ہے بعد کے مجتہدین کے  
 من المجتہدین ان یخالفھا  
 لیے بھی جائز ہے کہ اس سے اختلاف  
 ولہذا قال الشافعی لایجوز  
 کرے اسی لیے امام شافعی نے فرمایا  
 الحکم او الافتاء الامن جہۃ  
 خیر لازم کے بغیر حکم ثابت کرنا یا فتویٰ  
 دینا جائز نہیں اور خیر لازم سے مراد  
 کتاب  
 والسنة لہ  
 صرف کتاب و سنت ہے۔

اس ضمن میں ایک اور اہم پہلو قابل توجہ ہے کہ کبھی کوئی امر جو بعض اکابر پر  
 ایک اہم نکتہ | معنی رہ جائے تو یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہوتا کہ وہ پہلو بعد کے آنیوالے  
 افراد (اصاغر) پر بھی ہمیشہ اسی طرح تقی رہے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک تبرہ ہند  
 کے ساتھ اکابر تک نہیں پہنچتی لیکن بعد کے ادوار میں کسی تک محنت کے ساتھ پہنچ جاتی ہے اور وہ  
 بدبایں وجہ اس پر طلع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اکابر صحابہ کا یہ معمول تھا کہ وہ مرتبہ و فضیلت سے قطع نظر بعض معاملات میں جہی سے  
 متعلق وہ کسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلع نہ ہوتے تھے تو وہ عوام اور اصاغر صحابہ سے  
 بھی دریافت فرماتے اگر ان میں سے کسی کے ذریعے ان کو صحیح رائے پہنچ جاتی تو وہ اس پر عمل  
 کرتے اور اسے قبول کرنے میں ان میں ذاتی عظمت و فضیلت کبھی مانع نہ ہوتی تھی حصول

علم میں ان کبیرہ وطیرہ دیانت اور شہیوہ تو واضح تھا۔ امام ابن حجر العسقلانی نے سیدنا عمر فاروق کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دین جہنم کا واقعہ پیش ہوا تو آپ نے طلبہ ارشاد فرمایا۔

اذکر اللہ امرأ سمع  
رسول الله صلى الله عليه  
وسلم قضى في الجنين ليله

اگر تم میں سے کسی شخص کو جنین کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے کا علم ہو تو وہ مجھے بتائے۔

اس پرحمل بن مالک بن نافع البزلی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ بیان کر دیا فیصلہ سن کر آپ نے فرمایا:

الله اكبر لو لم تسمع هذه  
القضية لتقضينا بخيرة۔

اللہ اکبر اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنی پاتے تو یقیناً کوئی اور فیصلہ کر بیٹھتے۔

ائمہ و محدثین نے حضرت عمرؓ کے اس قول سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

وفيه ان الوقائع الخاصة  
قد تحققت على الاكابر ويعلمها  
من دونهم وذلك رد على  
المقلد اذا استدال عليه  
بخبر يخالفه فيجيب  
لو كان صحيحا لعلمه  
فلان مثل فان ذلك اذا  
جاز خفاءه عن مثل  
عمر رضي الله عنه  
فخفاءه عن بعدة  
جوز له

اس سے یہ ثابت ہوا کہ کبھی بعض خصوصی واقعات اکابر پر مبنی رہ جاتے ہیں لیکن اصاف کو ان کا علم ہو جاتا ہے۔

اس واقعہ میں ایسے معتدین کا رد بھی موجود ہے جن کے سامنے کوئی ایسی بات پیش کی جائے جو ان کے موقف کے خلاف ہو تو وہ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ اگر یہ بات درست ہوتی تو فلاں کو ضرور اس کا علم ہوتا حالانکہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی شخصیت پر ایک اہم مسئلہ مبنی رہ سکتا ہے تو دوسروں سے اولیٰ مخفی ہو سکتا ہے۔

اولیٰ یعنی ہو سکتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اکابر میں سے کسی مجتہد کی توجہ بوقت اجتہاد کسی خاص نص یا دلیل کی طرف نہیں جاتی اور وہ اپنی رائے کسی دوسری دلیل کی بنا پر قائم کر لیتا ہے مگر اصل میں سے کسی کا خیال اس طرف چلا جاتا ہے اور وہ مختلف نتیجے پر پہنچتا ہے۔

اندریں صورت یہ عین ممکن ہے کہ دوسرے کی دلیل پہلے کے مقابلے میں صائب اور قوی ہو مگر اس سے نہ تو پہلے مجتہد کی علمی ثقاہت کا انکار لازم آتا ہے اور نہ ہی اس کی تنقیص و

توہین لے

بلکہ علمی تحقیق و تدقیق کی دنیا میں یہ طریق کار اساتذہ اور ان کے تلامذہ کے مابین ہمیشہ مقبول و مستند اول رہا ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ و اتباع کے درمیان علمی و فقیہی اختلافات اس امر کا مین ثبوت ہیں۔ اگر صرف امام اعظم سے ان کے دو تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے فقیہی اختلافات کو ہی جمع کر لیا جائے تو انک ”فقہ“ مرتب ہو سکتی ہے۔

اس ضمن میں سیدنا عمر فاروق کا یہ عمل بھی درجہ بند رکھتا ہے۔ آپ نے اپنے دور خلافت میں عورتوں کے مسر کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر اس کی حد مقرر کرنا چاہی تو ایک عورت نے اٹھ کر قرآنی دلیل کی بنا پر آپ سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے پابندی نہیں لگائی تو آپ کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قال عمر بن الخطاب لا تغالوا فی مہور النساء  
عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ عورتوں کے مسر زیادہ مقرر نہ کرو تو ایک عورت

لے اس بیان سے کسی کو یہ ملاحظہ نہ ہو کہ رقم الحروف (معاذ اللہ) اپنی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے۔ احق نے عمرؓ کو قطعاً ایسا نہ کیا ہے اور نہ الحمد للہ یہ خیال اب ذہن میں ہے۔ یہاں محض صورت مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ ائمہ دین اور اسلاف علمی مسائل میں تحقیق و اختلاف کو کس قدر وسعت قلبی کے ساتھ قبول کرتے اور درار کھتے تھے درنہ احق کے اپنی ذات کی نسبت اس خیال سے مبرا ہونے پر خدا شاہد ہے وہ ائمہ دین اور اکابرین امت کی گردنوں کی تنظیم کو دنیا و آخرت میں اپنی نجات کا سامان سمجھتا ہے۔ اور اسی میں عافیت ہے۔

لہنے کہا:

اے فاروق اعظمؓ آپ کو اس پابندی کا حق حاصل نہیں بیشک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اگر تم بیوی کو ڈھیروں بال دے چکے ہو تو تمہارے لئے حلال نہیں کہ اس میں سے کچھ والیں لیں۔“

فَقَالَتْ امْرَأَةٌ: لَيْسَ ذَٰلِكَ لَكَ يَا عِمْرَانُ اللَّهُ يَقُولُ: وَاتَّيْتُمُ احْدَا هُنَّ قَنْطَارًا فَلَ تَاخِذُوا مِنْهُ شَيْئًا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

عورت کی بات درست ہے اور مرد سے خطا ہوگی۔

امْرَأَةٌ اَصَابَتْ وَرَجُلًا اِخْطَا لَهُ۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنی نسبت پر جملہ ”عورت نے صحیح بات کی اور مرد سے غلط ہوگئی“ کا ثبات علم و اجتہاد میں ایک زریں اصول کا درجہ رکھتا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے میدان تحقیق میں ایسا شاندار اسوہ و یاسنت ہے کہ چھوٹوں کا اختلاف رائے کس قدر عالی ظرفی سے قبول کیا جاتا ہے۔

کسی امر کے متقدمین پرستور ہونے اور متاخرین پر ظاہر ہونے سے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام کا معاملہ متقدمین پرستور تھا اور متاخرین پر ظاہر ہو گیا۔

مگر متاخرین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسلام کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آدم علیہ السلام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء و اہمات کے اسلام کا

واما متاخرین پس بتحقیق اثبات کردہ اندہ اسلام والدین بلکہ تمامہ اہباء و امہات آنحضرت راصلی اللہ علیہ وسلم

تا آدم علیہ السلام۔  
 واین علم گویا مستور بود  
 از متقدمین پس کشف  
 کرد آنرا حق تعالیٰ بر  
 متاخرین و الله یختص  
 برحمة من یشاء من فضله  
 صاحب اذ اللیب فرماتے ہیں۔  
 و حدیث الاحیاء ان  
 کان فی حد ذاته ضعیفاً  
 لکنه صححه بعضهم  
 لبلوغه درجة الصحة  
 ولتعداد طرقه وهذا  
 العلم کان مستوراً  
 من المتقدمین فکشفه علی المتأخرین  
 والله یختص برحمة من یشاء له  
 عارف کامل حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں یہ استفناء  
 آیا۔

کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اسلام پر فوت ہوئے ہیں یا کہ نہیں اؤ  
 اگر اسلام پر نہیں تو کس پیغمبر صاحب پر تھے۔ ۹  
 آپ نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایمان ثابت کرتے  
 ہوئے فرمایا۔

اثبات اسلام کے تین طریقے ہیں۔



اول یہ کہ والدین شریفین اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے۔

دوسرا یہ کہ وہ دونوں صاحب زمانہ فترت میں تھے نہ زمانہ نبوت میں یعنی ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں سوال کیا کہ الہی میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف باسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر مشرف باسلام کیا۔ اگرچہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث کی علماء متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے لیکن متاخرین محققین نے حدیث احواء کی تصحیح و تحسین کئی طرح سے فرمائی اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث احواء ان احادیث سے ہے کہ جن کو متقدمین مجتہدین نے روایت کیا ہے۔

گو یا کہ یہ علم متقدمین میں سے ایک گونہ پوشیدہ و مستور تھا اور متاخرین پر اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ ۗ وَمَنْ فَضَّلَهُ

تحقیق مسائل کے شرعی اسلوب پر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف سے خلف تک تمام امت کے اہل علم اس مسئلے پر متفق رہے ہیں کہ ہر شرعی مسئلے کو اولاً کتاب اللہ پر پیش کیا جائے اگر اس کا حل نص کتاب سے میسر آجائے تو اس سے بہتر اور قوی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اگر اس مسئلے پر قرآن مجید خاموش ہو یا اس کے احکام غیر واضح ہوں تو پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا جائے اور مسئلے کا فیصلہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کیا جائے البتہ قرآن مجید کی عام کی تخصیص مطلق کی تعلیہ مجمل کا بیان یا اس میں استثناء وغیرہ کا عمل ان احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکتا ہے جن کی صحت پر

کوئی شک نہ ہو اور قوت و حجیت کے اعتبار سے فن اصول کی شرائط کے مطابق مطلوبہ سبب یا پر پوری اترتی ہوں مثلاً عند لا احناف متقاتلہ یا مشہور ہوں اور عند الشواہغ بے شک احتیاط احادیث پر ترجیح ہوں اگر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ایک مسئلے کا حل مل جائے تو اس کے ہوتے ہوئے کسی قیمت پر بھی اجماع اور قیاس کی

طرف رجوع کرنا جائز نہیں رہتا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیسرے درجے پر صحابہ کرام کے اجماع قطعی کی حجیت آتی ہے اور اس کے بعد صحابہ کرام کے فتاویٰ اقوال قضایا اور اجتادات وغیرہ۔

کسی مسئلے پر صحابہ کرام کے اقوال اور اجتادات میں اگر معمولی سا بھی اختلاف پایا جائے تو آنے والے ادوار کے علماء و مجتہدین اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ان میں سے کسی قول کو بھی بطور دلیل شرعی کے اپنا سکتے ہیں اور اگر اس پر کسی زمانے کے تمام علماء و مجتہدین کا اتفاق ہو جائے تو وہی قول درجہ اجماع کو پہنچ جاتا ہے۔ یا درجے سے صحابہ کرام میں سے کسی کا قول، اجتہاد، فتویٰ یا فیصلہ خود نبی اکرم سے اللہ علیہ وسلم سے عحت کے ساتھ ثابت شدہ حدیث کے مقابلے میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اقوال و آثار کی حجیت صرف اسی وقت قائم ہوتی ہے جب یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متخالف اور متعارض نہ ہوں درست ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں اثبات احکام کے لیے انہیں حکماً مرفوع حدیث کے طور پر قبول کیا جاتا ہے مگر اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آثار صحابہ و تابعین کو حاصل شدہ اس رعایت کی بنا پر انہیں مطلقاً سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فی الحقیقت احادیث صحیحہ کا ایسا درجہ دے دیا جائے کہ ان میں اور حقیقی احادیث میں کوئی فرق ہی روانہ رکھا جائے۔

ائمہ کرام تو ان احادیث صحیحہ کو بھی قبول نہیں کرتے جو قرآن کی نصوص سے متعارض ہوتی ہیں چہ جائیکہ اقوال صحابہ، اجتادات ائمہ اور اجماع امت کو نصوص قرآنی سے متعارض صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں واجب القبول مانا جائے ایسے دلائل جو احادیث رسول علیہ السلام یا نصوص قرآنی سے متعارض ہوں کو بنیاد بنا کر احکام شرعیہ کے ثابت کرنے سے کتاب و سنت کا تقدس اور شریعت اسلامیہ کی اصل روح مخدوع ہوتی ہے اجماع صحابہ کے بعد، دیگر ادوار کے بعد و فقہاء کا اجماع ہے۔ اس میں بھی قطعی اور ظنی کا فرق ملحوظ رکھا جاتا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ اجماع کے بعد آخر میں قیاس اور انفرادی اجتہاد اسی شرط کے مطابق، کی دیگر صورتوں مثلاً استحسان، استصلاح اور عرف و ضرورت وغیرہ کی

بنیاد پر کیے گئے فقہی فیصلے فقہ اسلامی میں شرعی دلائل کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔  
 آخر میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ فقہ اسلامی میں اجماع اور اجتہاد کے منابط  
 محض اس لیے وضع کئے گئے ہیں کہ نصوص کتاب و سنت کی عدم موجودگی میں امت مسلمہ  
 کسی اور قانون کو بھی فقہی شرائط کے مطابق شرعی قانون کا درجہ دے سکے اور اس طرح وقت  
 کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ ساتھ قانون شریعت ہر دور میں ارتقاء پذیر اور دوام  
 دواں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اسلام نے بعد کے اجماع سے پہلے اجماع کی منسوخی اور ایک  
 اجتہاد سے دوسرے اجتہاد کی منسوخی کو ہمیشہ رد رکھا ہے۔ اگر قانون شریعت میں ارتقاء  
 کا یہ تصور ختم کر دیا جائے اور اجماع کا یہ مفہوم متعین کر لیا جائے کہ آئندہ کسی زمانے میں بھی ہزارہا  
 تقاضوں کے باوجود اس مسئلے کو دوبارہ نہ کھولا جائے اور ضرورت وقت کے پیش نظر کتاب و  
 سنت کے دلائل و نظائر پر از سر نو غور و غوض نہ کیا جائے جیسے نصوص کتاب و سنت تو اس  
 سے فقہ اسلامی کا محرک جمود میں بدل جائے گا۔ جو اسلام کو نئے حالات میں ناقابل عمل  
 بنا دے گا۔

اسلاف امت اور ائمہ دین کے نزدیک اجماع کا مقصد ہمیشہ یہی تھا کہ اس سے دین میں  
 فتنہ و انتشار کے راستوں کو مسدود کیا جائے اور امت کو احکام و مسائل کے باب میں زیادہ  
 سے زیادہ ممکنہ وحدت و یکجہتی سے ہمکنار کیا جائے۔

لیکن ہم نے اجماع کے اصل تصور اور اس کی زندہ روح کو ختم کر کے اسے شریعت  
 اور فقہ اسلامی کے جمود و تعطل کا ذریعہ بنا لیا ہے تاکہ اس کی وساطت سے تحریک و ارتقاء کے  
 راستوں کو بند کیا جائے اس طرح ہم خود ان ائمہ و اسلاف کی راہ سے انحراف کے مرتکب  
 ہو رہے ہیں جنہوں نے ہر دور میں جمود و تعطل اور فتنہ و انتشار دونوں کے خلاف بیک وقت  
 آواز بلند کی۔ شیعہ اجتہاد روشن کی اور نصوص کتاب و سنت کے غیر محمد و فیضان کو دنیا  
 میں عام کر کے ہر زمانے کی علمی، فقہی اور عملی ضرورتوں کی کفالت کی اور فن فقہ و اصول کو پروان  
 چڑھایا۔ تعبیر و تشریح کو ترقی دی اور اسلام کی حقیقی روح کو زندہ و متحرک رکھ کر اسے دنیا سے

انسانیت کے لیے قابل عمل ثابت کیے رکھا۔ ہمارے قابل فخر اسلاف نے تصور اجماع اور شرائط اجتماع کو دین کی حفاظت و سلامتی کے لیے تو یقیناً استعمال کیا ہے مگر انہیں دین پر اپنی اجبارہ داری قائم کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ ایسی جامد اور اجارہ دار اندسوں سے ان کی تسکین اور شخصیتوں کے بہت تو تعمیر ہو جاتے ہیں مگر دین و شریعت کو وہ ناقابل تصور نقصان پہنچ جاتا جس کی تلافی کئی نسلوں کی کوششوں سے بھی ممکن نہیں ہوتی اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم پورے انصاف اور دیانت سے فقہ و شریعت محمدی کی خالصیت کو بحال کریں تاکہ ہم امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے صحیح پیروکار بن کر ان کی جلائی ہوئی شمعوں کا نور محض تاریک کمروں میں بند کرنے کے بجائے دنیا میں مشرق تا مغرب اس طرح عام کر سکیں کہ اعیانہ رجبی اسلام کی حقانیت اور صداقت کے سامنے اپنی گردنیں خم کرنے لگیں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب ہم شریعت کے عطا کردہ ”اسلوب تحقیق“ کو ہمیشہ زندہ و تازہ رکھیں گے اسے صرف کتب تدریس کی زینت نہ بننے دیں گے۔